سرخ جنت میں قدم

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

پاکستان کی سرحد پار کرنے کے لیے جب کوئٹہ بس سٹیشن سے تفتان بارڈر پہنچا تو کئی خفیہ نگاہیں مجھے بہ غور دیکھ رہی تھیں، ''حسن نگاہ''، کہ خفیہ نگاہوں والا میرے حلیے اور عمر کے حوالے سے سوال کرنے پر مجبور ہوگیا کہ ایک درمیانے طبقے کا، چہرے سے تعلیم یافتہ دکھائی دینے والا نوجوان یقیناً ضیاالحق کی ریاست کے لیے خطرناک شخص ہوسکتا تھا۔ سوالات کہ کہاں جارہے ہو، کیوں جارہے ہو، کیا کرتے ہو، کہاں رہتے ہو..... خفیہ والوں کے مخصوص سوالات اور میرے سادہ، ''معصومانہ'' مگر مکمل کیموفلاج جوابات۔ ریاستی کارندہ اپنے سوالات کے جوابات میں گم ہوگیا۔ پاکستان کی آمریت کو پیچھے چھوڑنے کے بعد میں ایرانی شہنشاہیت کو شکست دینے والی سرزمین کے تجربے سے گزرا۔ مشہد کی سڑکوں پر عراق کے ساتھ جنگ میں ہلاک ہونے والے ایرانی جوانوں کی لاشوں کے ساتھ جلوس اور پورے ملک میں رہبر انقلاب امام خمینی کی قدآور تصاویر، جدھر دیکھا رہبر انقلاب کی تصاویر۔ سنا کہ اس سے پہلے آریہ مہر شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کے مجسمے شاہراہوں اور چوکوں میں نصب تھے۔ پورے ملک کو جنگ اور انقلاب کے نعروں نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ مرگ برامریکہ (امریکہ مردہ باد) اور انقلاب مکمل۔ ایرانی ریاست کی انقلابی اور جنگی فضاؤں کے بعد ترکی کے بے رحم مارشل لاء کا مشاہدہ ہوا۔ کنعان ایورن ایک شدت پسند سیکولر جرنیل کس طرح اپنی عوام کو جکڑنے کے درپے تھا، اس کا تصور بھی پاکستان کی مارشل لائی فضاؤں میں نہیں ہوسکتا تھا۔ جس دن میں انقرہ کے گنجلک پارک (نوجوانوں کا پارک) میں گھوم رہا تھا، اس دن انقرہ کی سڑکوں پر پاکستان کے اسلام پسند آمر جنرل ضیاالحق اور ترکی کے سیکولر آمر کنعان ایورن ایک ہی کار میں رواں دواں تھے اور اس کے لیے ٹریفک کو بار بار معطل کیا جارہا تھا۔ دو مختلف نظریات رکھنے والے آمر، لیکن ان میں تین چیزیں مشترک تھیں، فوج، امریکہ اور آمریت۔ جنرل ضیاالحق سے کنعان ایورن نے مشورہ مانگا کہ میری حاکمیت کو مضبوط کرنے کے لیے مجھے کیا تجویز کرتے ہو؟ جنرل ضیاالحق نے کہا کہ بائیں بازو کے رہنما بلند ایجوت کو کھلا نہ چھوڑنا اور اگر ہوسکے تو اس کی زندگی محدود کردو۔ کنعان ایورن نے جنرل ضیاالحق کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بلند ایجوت کی آزادی سلب کرلی اور ان پر فوج کا کڑا پہرہ لگادیا۔ جنرل ضیاالحق نے یوں رحم کی اس اپیل کا بدلہ بھی لے لیا جو بلند ایجوت نے ذوالفقار علی بھٹو کی رہائی اور ترکی میں پناہ کے لیے کی تھی۔ جنرل ضیا کی بھٹو دشمنی کے اثرات ترکی پر بھی پڑے۔

گنجلک پارک، انقرہ کے مرکز میں ہے، جس کے ایک طرف جدید ترکی کے قیام کے بعد مجلس ملی کبیر (ترکی کی پرانی قومی اسمبلی) کی وہ عمارت ہے جس کی بنیاد خود اتاترک نے رکھی تھی۔ انقرہ، مشرقِ وسطیٰ کے پہلے باقاعدہ منظم شہروں میں سے ایک ہے، جس کا قیام ترکی کو ری پبلک (جمہوریہ ترکیہ) قرار دینے کے بعد عمل میں آیا۔ پہاڑوں کے بیچ پیالہ نما وادی میں آباد یہ شہر، انگورہ کے تاریخی گاؤں کی سرزمین پر بسایا گیا۔ اتاترک کا جدید ترکی اور جدید انقرہ، ایک جدید قوم کے مستقبل کی ضمانت تھا۔ مجلس ملی کبیر کے

ساتھ ہی اُلس چوک بھی ہے، جہاں پر گھوڑے پر سوار اتاترک کا مجسمہ ایستادہ ہے، جو غیر ملکی حملہ آوروں کو للکار رہا ہے۔ خاموش مجاہد نہیں بلکہ لڑنے والا غازی مصطفی کمال پاشا، اتحادی افواج کو میدانوں اور سمندروں (درۂ دانیال) میں شکست دینے والا اتاترک۔ یونانی، جو سرزمین ترکی پر دعوے داری کرتے ہوئے عثمانی سلطنت کے زوال کے وقت اناطولیہ پر چڑھ دوڑے تھے، اُن کے کمانڈر کو دُملوپنار میں گرفتار کرنے والا غازی مصطفی اور درۂ دانیال میں چرچل کی فوجی منصوبہ بندی کے تحت حملہ آور افواج کو شکست فاش دینے والا غازی، جس کے سینے پر دشمن کی گولی لگی، لیکن قدرت نے اس کی زندگی محفوظ رکھی کہ اس نے ابھی اس کے ہاتھوں کئی اور اہم کارنامے سرانجام کروانے تھے۔ وہ گولی فوجی تمغے پر لگی۔ خاموش مجاہد نہیں، بلکہ متحرک اور فوجوں کی قیادت کرنے والا غازی کہ جو گھوڑے کی پشت پر مسلسل تین روز تک سوار ہو کر سمرنا (ازمیر) پہنچا جہاں یونانی افواج نے شہر کو فتح کرنے کے بعد آگ لگادی تھی۔ لیکن غازی مصطفی کے سمرنا پہنچنے کے بعد یونانی افواج کی فتح شکست میں بدل گئی اور برسرپیکار مجاہد غازی مصطفی پاشا نے سمرنا کے اجڑے باغوں کو آزاد کروایا۔ اس کا مجسمہ اُلس چوک میں اس تاریخ کی یاد ہر لمحہ تازہ رکھتا ہے۔ سیاحوں کے علاوہ مقامی لوگ بھی ہر روز اس غازئ ملت کے مجسمے کے سامنے تصاویر بنواتے ہیں اور اکثر کی آنکھیں ایسے میں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ اُلس، ترکی زبان میں قوم کو کہتے ہیں، جی ہاں ایک نئی قوم کا چوک جب کہ گنجلِک پارک سے اتاترک کا مقبرہ یوں دکھائی دیتا ہے جیسے آپ کسی پہاڑ کی چوٹی کی طرف دیکھیں۔ ترکوں نے اپنے باپ (اتاترک) کا مقبرہ انت گبیر (Anitkabir)، انقرہ میں چنکایا کی سب سے اونچی پہاڑی پر بنایا، جو شہر کے مرکز میں ہے اور تمام اطراف سے دیکھی جا سکتی ہے۔ کئی ایکڑوں پر پھیلا انت گبیر ایک زندہ قائد کا مقبرہ ہے اور اس مقبرے پر ترک مسلح افواج کے دستوں کی تبدیلی ایک زندہ اور مہذب قوم کی نشاندہی کرتی ہے۔ واہگہ بارڈر پر مسخروں کی طرح دونوں ریاستوں کے جوانوں کی پرچم کشائی کی تقریب سے بالکل مختلف کہ جہاں پر اس مسخرے پن کو مزید تقویت دینے کے لیے دیوانوں کو شامل کر کے ریاست اور قوم کے حقیقی مزاج کی عکاسی کی جاتی ہے۔ انت گبیر پر مسلح دستوں کی تبدیلی اور پرچم کشائی ہمارے جیسی قوموں کے لیے ایک سبق ہے کہ یہ کام کتنے سنجیدہ ہیں کہ جنہیں ہم نے مسخرے پن میں اپنا رکھا ہے۔ ترک فوجی دستہ، تبدیلی کے وقت اپنے غازی مصطفی کمال کی فتوحات کا جب بلند آواز اور فوجی انداز میں ذکر کرتا ہے تو ہر روز اس ترک تاریخ کو یاد کیا جاتا ہے کہ اس غازی سپوت نے کہاں کہاں، کس میدان اور سمندر میں اپنی ملت کا دفاع کرتے ہوئے فتوحات حاصل کیں۔ اور فتوحات بھی دنیا کی جدید ترین اور طاقت ور ترین ریاستوں کی افواج کو شکست دے کر اور ایک قوم پرست جذبے کے تحت، کہ جس کے ساتھ بچی کھچی ترک افواج اور اناطولیہ کے کسان برابر جنگ بازی کر رہے تھے۔

پاکستان اور ایران کے بعد، انقرہ کی خاموش فضا میں، کنعان ایورن کی مارشل لائی طاقت کو محسوس کرنے کا تجربہ میرے تجسس کو مزید بڑھاتا گیا۔ اب اس ریاست میں داخل ہو چکا تھا، جس کے بارے میں دنیا بھر کی سرمایہ دار ریاستیں کہتی تھیں کہ چند قومیں مشرقی یورپ میں ایک آہنی دیوار کے پیچھے ایک ناقابل فراموش آمریت کے سایوں تلے رہتی ہیں۔ طویل سفر کے بعد جب ٹرین بلغاریہ کے دارالحکومت صوفیہ پہنچی تو پیچھے چھوڑی تین آمرانہ ریاستوں کے مقابلے میں مجھے ایک نئے تجربے کا احساس ہوا۔ لیکن یہ ایک حسین خواب تھا، سرخ جنت کا۔ صوفیہ کے ریلوے سٹیشن پر ٹرین رکی تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ ٹرین سے اترنے کے بعد قدم کس جانب بڑھانے ہیں۔ جی ہاں، منزل کا علم ہی نہیں تھا۔ صوفیہ ریلوے سٹیشن پر اترتے ہوئے بھی مجھے اُن ''خفیہ نگاہوں'' کی تلاش تھی کہ جو اس مسافر کی آمد پر اس پر مرکوز ہو سکتی تھیں کیوں کہ ہماری ''آزاد دنیا'' کے میڈیا کا کہنا تھا کہ آہنی دیوار کے اندر ہر شخص پر کڑی نظر رکھی